ترقی پسند تحریک اور تصوّرِ انسان دوستی

ڈاکٹر سعید احمد

Dr. Saeed Ahmad

Associate Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

رابعہ اقبال

Rabia Iqbal

M.Phil Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

The Anjuman-e-Taraqqi Pusund Mussanifin or Progressive Writers' Movement is the most prominent movement in the history f Urdu literature. The progressives contributed some of the finest pieces of fiction and poetry. The writers gave the message of dignity of man as well as humanitarianism. Prem Chund, Baidi, Krishn Chundur, Ghulam Abbas, Qasmi and other fiction writers depicted the real picture of life. In this article it is explained how these writers aroused the aspect of humanitarianism.

انقلابِ روس جن بنیادی نظریات کے ردِعمل میں منظرِ عام پر آیا تھا، ان کے پس پردہ ایسے محرکات کارفرما تھے جن میں انسان کی حیثیت بنیادی تھی۔ انسان کی سوچ اور آزادیٔ اظہار کی خاطر جو نظریات پروان چڑھ رہے تھے ان کی سرحدیں صرف اور اس کے گردوپیش میں ہی نہیں بلکہ دیگر ممالک کو بھی اپنے حصار میں لے رہی تھیں جن کی وجہ سے بڑھتی ہوئی انسانی فکر اور تدبر نے اس دور کے انسان اور ہر فرد میں یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا کہ وہ اپنی خاطر،، اپنی علیحدہ حیثیت اور آزادی کی خاطر آواز اٹھائے اور اس کے حصول کو یقینی بنائے تاکہ پسے ہوئے طبقات میں خود اعتمادی اور انانیت کے احساس کروٹیں بدلیں اور انسان کو اس کے اصلی روپ میں انسانی شعور کے تقاضوں کے تحت دیکھا جائے اور اس طرح اسے اس کی کلیدی حیثیت حاصل ہو سکے۔

اس نوع کے نظریات نے متذکرہ بالا دور کے ہر انسان کے ذہن میں وہ لہر پھرا دی تھی جو اس سے ملتے جلتے مقاصد مگر اسی نوعیت کے بنیادی مقاصد کے ساتھ اپنے اپنے حقوق کے حصول کے لیے آوازیں بلند کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ یہ نظریاتی رو جیسے ہی پاکستان اور ہندوستان میں داخل ہوئی تو ان ممالک کے جن ادبا نے سب سے پہلے اس کے اثرات قبول کیے وہ ترقی پسند ادیب کہلائے۔ انسانی ہمدردی اور غربت و افلاس کے مارے ہوئے انسانوں کا ساتھ دینے کے لیے اور ان کے حقوق کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے جن لوگوں نے قلم اٹھایا ان کا اندازِ تحریر روایتی اندازِ تحریر سے ذرا مختلف ثابت ہوا اور اسی بنا پر لوگوں میں انھیں اجنبیت کے ساتھ ساتھ مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔

یہ لگ بھگ وہی دور تھا جب مشرقی ممالک میں رومانی تحریک کا طوطی بولتا تھا اور اس نظریہ کے ادبا اپنی یوٹوپیائی دنیا کے بامِ عروج پر تھے۔ اسی طرز پر قارئین ایک خاص ذہنیت اور ٹیسٹ کے مطابق خیالی دنیا میں ڈوبے حقیقت اور اصلیت سے کوسوں دور کے خواب دیکھنے میں مصروف تھے، ادبا کا ایک نیا گروہ ابھر کر سامنے آیا اور ایک نئی سوچ نے جنم لیا جس سے یوٹوپیائی دنیا کے قارئین ایک دھچکے کے ساتھ نئے رویوں کو خیر مقدم کرنے کے لیے متوجہ ہوئے اور ابتدا میں انھوں نے خیر مقدم کرنے کی بجائے خوب تنقیدی نگاہ سے دیکھا جس کا ردِعمل یہ ہوا کہ ''انگارے'' کو سنسر کی پابندیوں کے نذر کر دیا گیا اور اس پر شدید ہنگامی صورتِ حال سامنے آئی۔ ترقی پسندوں کے ابتدائی بنیاد گزاروں سجاد ظہیر، احمد علی، رشید جہاں وغیرہ کو محبوس ہونا پڑا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> ''انگارے کے مصنفین چونکہ دلیل کا کام جذبات سے لینا چاہتے تھے اس لیے مشرق کے ثقہ مزاج نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نیاز فتح پوری اور عبدالماجد دریابادی جیسے مصنفین نے اس کتاب کی مخالفت میں مضامین اور اخبار ''مدینہ'' اور ''سرفراز'' نے مخالفانہ اداریے لکھے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۳ء میں کتاب کو ضبط کر لیا گیا۔''(۱)

سجاد ظہیر اور احمد علی نے لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک گوشے میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا ابتدائی لائحہ عمل ترتیب دیا۔ احمد علی اپنے مضمون ''ترقی پسند مصنفین اور تخلیقی مصنف'' میں لکھتے ہیں:

> ''محمود الظفر نے میرے اور رشید جہاں کے مشورے سے ۱۹۳۳ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کا اعلان کیا۔ چونکہ ۳۳-۱۹۳۲ء میں اس کے باقی بانیوں کے سامنے جو مقصد تھا وہ بالکل ادبی تھا اور اس میں سیاسی رجحانات زیادہ نہ تھے کہ ''ہم ان تما م اہم مسائل زندگی پر آزادیٔ رائے اور تنقیدی حق چاہتے ہیں جو

نسلِ انسانی کی بالعموم اور برصغیر کے لوگوں کو بالخصوص درپیش ہے۔''(۲)

۳۶۔۱۹۳۵ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے دستور پر جب غور کیا جا رہا تھا تو ان دنوں اس اجلاس میں انجمن کے نصاب سے متعلق حصہ لینے والے اہم ناموں میں ملک راج آنند، سجاد ظہیر، احمد علی، رشید جہاں، ڈاکٹر تاثیر، ڈاکٹر عبدالعلیم نامی، ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، مجنوں گورکھ پوری، ڈاکٹر اعجاز حسین اور رگھوپتی سہائے شامل تھے۔

مجنوں گورکھ پوری، رگھوسہائے فراق، اعجاز حسین اور اختر حسین رائے پوری ایسے لوگوں میں شامل ہیں جو کمیونسٹ پارٹی کے کارکن بھی نہیں تھے اور نہ ہی اشتراکی نظام سے دل چسپی رکھتے تھے۔ اقبال سنگھ اور ڈاکٹر ملک راج آنند اس اہمیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے ترقی پسند افسانہ لکھنا شروع کیا۔ اقبال سنگھ نے ابتدائی افسانہ "When one is it" لکھا اور ملک راج آنند نے ''مرغ زار''، ''فطرت کا دل'' اور "A Kashmir Idyll" لکھ کر دیہات نگاری کو ترقی پسند تحریک میں لانے کا فارمولا ایجاد کیا۔ ''فطرت کا دل'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''دن بھر مطلع صاف رہا تھا لیکن شام ڈھلتے ہی بادل گھر آئے تھے اور بارش کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ رہ رہ کر بجلی چمک رہی تھی اور بادل گرج رہے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ہیبت ناک دیو چنگھاڑ رہا ہو اور اس کے نوکیلے دانتوں کی چمک سے بجلی کوند رہی ہو۔ دفعتاً بادلوں کی وحشت ناک گڑگڑاہٹ وادی میں گونج اُٹھی اور کسانوں کی لڑکیاں مرغی کے چوزوں کی مانند سہم کر اپنی اپنی پھوس کی جھونپڑیوں میں دبک گئیں۔''(۳)

اقبال سنگھ نے اپنے افسانوں میں بے روزگار مرد اور عورتوں کے ہجوم کھمبا ٹا اینڈ کھمبا ٹا لمیٹڈ، طرز کا کارخانہ، بہتا ہوا خون اور مل کے مینجنگ ڈائریکٹر کا کرداری مطالعہ کرتے ہوئے سماجی موضوعات پر نفسیاتی تجزیہ کیا اور اس طرح یہ طرزِ تحریر پریم چند کے ''دامل کا قیدی'' سے ہوتا ہوا آج کے نوترقی پسند افسانہ نگار تک پہنچا ہے۔ ابتدائی دنوں ہی سے ترقی پسند افسانہ میں مسئلہ رہا کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر جماعت کے مرتبہ عقائد کو بار بار دہرایا گیا اور وہ بھی اس طرح کہ جماعت کے عقائد سے ذرا بھر بھی تبدیلی نہ ہونے پائے۔ اس کے باوجود ترقی پسند تحریک نے اردو افسانے کو متعدد جاندار آوازیں بخشیں۔

ان افسانہ نگاروں میں ڈاکٹر راج آنند، دیوندر ستیارتھی، خواجہ احمد عباس، اختر حسین رائے پوری، کرشن چندر، عزیز احمد، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، شمشیر سنگھ اور بلونت سنگھ کے نام نمایاں ہیں۔ دیوندر ستیارتھی کی پہچان ترقی پسندی اور وطن پرستی ہے۔ دیوندر ستیارتھی وطن پرستی کے

حوالے سے اہم نام ہے۔ان کے افسانوں کا ہر لمحہ تبدیل ہوتا ہوا دیہاتی لینڈ اسکیپ ہمیشہ قابلِ توجہ رہا۔ ان کی تحریروں میں ہندوستانی مٹی کی خوشبو اور گیتوں کی مدھر اٹھان پڑتی ہے۔ان کے ہاں جنسی الجھنیں، معاشی ناہمواریاں اور عورت اہم موضوعات رہے ہیں۔

خواجہ احمد عباس نے اپنے افسانوں میں تدبیر کاری کی سطح پر کیمرا تکنیک اور بیان کی سطح پر صحافیانہ اپج سے کام لیا جس کے سبب ان کے افسانوں میں کبھی تصنّع کی فضا محسوس ہوئی اور کبھی انتہا کی صاف گوئی اور بے باکی کھلنے لگی۔ان ہر دو طرح کی خامیوں اور خوبیوں کے ضمن میں خواجہ احمد عباس کو کرشن چندر کا پیش رو کہنا چاہیے۔کرشن چندر نے اپنے افسانے کے ذریعے موضوعی سطح پر اس روایت کو بڑھایا جو پریم چند سے ہوتی ہوئی کرشن چندر کے سینئر ہم عصر علی عباس حسینی تک پہنچی تھی اور جس میں کرشن چندر نے اپنے بہترین افسانوں خصوصاً مہالکشمی کا پُل، دس کا نوٹ، جوتا اور چند روز کی دنیا میں اردو کی اس پھیلتی ہوئی روایت کو اپنی تکنیکی مہارت اور بیان سے مزید سنوارا۔اس روایت میں کرشن چندر کی ایک منفرد خوبی اس کی جرأتِ فکر ہے۔کچھ یہ سبب ہے کہ اس کے افسانے ۳۵ برس پر محیط معاشرتی اور سیاسی کروٹوں کے ترجمان بن گئے۔

اختر حسین رائے پوری کی اولین شہرت ترقی پسند تحریک میں نقاد کی ہے۔ان کا مضمون ''ادب اور دنیا'' اردو ادب میں ترقی پسند تنقید کی بنیاد ہے۔اختر حسین رائے پوری نے بطور افسانہ نگار اپنی پہچان محبت اور نفرت کے افسانوں سے بنائی۔اختر حسین رائے پوری کی افسانہ نگاری کا آغاز ''زبان بے زبانی'' سے ہوا۔وہ اپنے افسانوں میں حقیقت پسندی اور رومان کو انوکھے انداز میں پیش کرتے ہیں۔

عزیز احمد نے ترقی پسند افسانوی انداز سے ذرا ہٹ کر لکھا۔انھوں نے تنگ حصار کو تمثیل، داستان اور اساطیر کے ذریعے توڑنے کا جتن کیا۔عزیز احمد کے افسانوں میں تمثیل کے ذریعے عاشق اور محبوب بہت جلد ہی ایک دوسرے پر کھل جاتے ہیں اور اکثر ہی عاشق حد درجے کا تیز اور فعال ہے جب کہ محبوب سست روی کا شکار نظر آتا ہے۔

عصمت چغتائی نے افسانہ نگاری کا آغاز ۱۹۳۵ء کے دور میں شروع کیا۔اس دور کے اہم لکھنے والوں میں نیاز فتح پوری اور مجنوں گورکھ پوری اور حجاب امتیاز علی کے نام نمایاں ہیں۔یہ دور رومان پسندوں کا دور تھا۔عصمت چغتائی نے افسانوں کے ذریعے سے ایک نئی سوچ فراہم کی جن کی اولین مثالوں میں افسانہ ''نیرا'' اہم پیش رفت ہے۔عصمت چغتائی نے ایسے بے مثال افسانے لکھے جن کی آواز اردو افسانے میں ہمیشہ گونجتی رہے گی۔

راجندر سنگھ بیدی ایک ایسا افسانہ نگار ثابت ہوا ہے جن کے اندازِ تحریر پر لکھنے والے بہت ہی کم کم پیدا ہوئے ہیں۔ان کے افسانوں میں داخلی اور خارجی پہلو بہت حد تک نمایاں نظر آتے ہیں۔وہ داخلی اور خارجی چیزوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ زندگی معلوم ہوتی ہے۔اس طرح کی

چیزیں ان کے افسانوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ صرف ایک سگریٹ، ایک روز اقیم چورستے کے پاس، گرم کوٹ اور بولو شامل ہیں۔

احمد ندیم قاسمی اور بلونت سنگھ نے اپنے افسانوں میں دیہات کو بہت ہی خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کا تعلق پنجاب سے تھے۔ احمد ندیم قاسمی اور بلونت اپنے پہلے مجموعوں ''چوپال'' اور ''جگا'' کے بعد حقیقت نگاری کی طرف آئے اور رومان میں توازن پیدا ہوا، پھر جا کر ندیم نے 'پرمیشر سنگھ' اور بلونت نے 'ارداس' لکھا۔

روس میں ترقی پسندی کا جو نظریہ متعارف کرایا گیا تھا ہمارے یہاں پہنچتے ہوئے وہ اپنی اصلی شکل کھو چکا تھا اور ان ادبا نے اس سے جو مطلب اخذ کیا وہ کسی حد تک کارل مارکس کے نظریہ ''مارکسزم'' سے مشابہ تھا۔ اس ضمن میں ممتاز حسین کا بیان بڑی حد تک واضح ہے:

> ''ترقی پسند تحریک کی بنیاد اس طبقے کے فلسفے پر تھی جو باہر سے لایا گیا تھا یعنی مارکسزم پر تھی۔'' (۴)

سجاد ظہیر خود ایک سیاسی اور نظریاتی فکر کا شخص تھا جس کا یہ اثر ہوا کہ تحریک میں بڑی حد تک سیاست کا عمل دخل ہونے لگا جس کے حوالے سے کئی طرح کا ردِعمل بھی سامنے آیا۔ اسی حوالے سے احمد علی کا بیان بھی کافی وضاحت پیش کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

> ''ترقی پسندوں کا یہ نظریہ تھا کہ ترقی کے معنی اشتراکیت کی طرف بڑھنا ہے۔'' (۵)

انور سدید اپنی کتاب ''اُردو ادب کی تحریکیں'' میں رقم طراز ہیں:

> ''تحریک کے اولین محرک سجاد ظہیر چونکہ کمیونسٹ تھے اس لیے مقاصد کی ذیل میں مارکسی نظریات کو زیادہ اہمیت ملی اور اس تحریک کی جہت روزِ اول سے ہی کمیونزم اور اشتراکیت کی طرف مڑ گئی۔'' (۶)

ہمارے یہاں ترقی پسندوں کے تحت جتنا ادب تخلیق ہوا وہ اسی نظریہ کے اثرات تلے پروان چڑھتا رہا، حتیٰ کہ آج تک وہی نظریہ چل رہا ہے جس کے تحت ترقی پسند ادیب انسان کے جذبات کی عکاسی اپنے قلم اور الفاظ کے بندھن میں کر رہے ہیں۔

ترقی پسندوں نے بڑی محنت اور دل جمعی کے ساتھ اپنے افکار کو منظرِ عام پر پیش کیا جن میں صاف ظاہر یا پھر علامیہ انداز میں ہر دو سطح پر غلاموں کی آزادی، آجر اور اجیر کے درمیان حائل بنیادی رکاوٹ، پس ماندہ طبقہ کی بحالی اور دست رسی، داخلی مسائل، عورت کی محرومی، ناداری، بچوں کی کم عمری میں ملازمت اور انسانی استحصال وغیرہ جیسے موضوعات زیرِ بحث رہے۔ اس نظریہ کے پرچار کرنے

والے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر رہے تھے جن میں افسانہ نگار، ناول نگار، نظم گو، غزل گو اور مضمون نویس شامل تھے۔

اُردو افسانے کا آغاز رومانی موضوعات سے ہوتا ہے۔ سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں کا اصل رنگ رومانی ہے لیکن اس کا آغاز بہر حال ہر رنگ و آہنگ کے باوجود بھی اصلاح کرنے والا ہی رہا۔ افسانہ جس موضوع پر بھی لکھا گیا اس کا موضوع انسان رہا۔ اردو افسانے نے غلامی، سیاسی، ذہنی و جذباتی زلزلوں اور معاشرتی پس ماندگی سے معمور دنیا میں آنکھ کھولی، اس حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ''اپنے آغاز میں ہی یہ اپنے لب و لہجے، طرزِ احساس اور تدبیر کاری کے اعتبار سے دو واضح منطقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک منطقہ رومان کا تھا، جہاں خواب و خیال اپنی رنگینیاں بکھیرتے اور شیریناں بانٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں فرد اپنی ذہنی و جذباتی آزادی اور فطری مسرت کی حفاظت کے لیے کوشاں دکھائی دیتا ہے، جو حقیقی دنیا میں پارہ پارہ ہو رہی تھی۔ اس دائرے میں ماورائیت، جنسی و نفسیاتی شعور کی لپک اور انفرادیت کا زعم گونجتا دکھائی دیتا ہے، جب کہ دوسرے منطقے میں بے بسی اور مجبوری کسمساہٹ اور تلملاہٹ کو پروان چڑھا رہی تھی، نوآبادیاتی نظام سے نفرت، اس کی آلۂ کار قوتوں، اداروں اور کارکنوں سے بیزاری، غلامی، غربت، محرومی اور جہالت کو تقدیرِ انسانی جاننے پر آمادگی سے گریز اور ماضی سے بے تعلقی، غراہٹ سے مشابہ لب و لہجے کو پروان چڑھا رہی تھی۔''(۷)

اردو افسانے کے حوالے سے منشی پریم چند کا نام خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے دیہات سے شہر میں نقل مکانی کے دوران زندگی کے دو رخے تجربے کی بنا پر جس نوعیت کا ادب تخلیق کیا وہ ترقی پسندی اور انسانی اعمال و افعال کی سچی تصویر بن گئے۔ پریم چند کا یہ اندازِ تحریر انھیں ترقی پسند ادیب بنانے میں خاصا کارگر ثابت ہوتا ہے۔ اس حوالے سے سید احتشام حسین اپنے ایک مضمون ''اردو افسانہ ایک گفتگو'' میں لکھتے ہیں:

> ''منشی پریم چند نے غربت اور افلاس میں آنکھ کھولی تھی۔ عنفوانِ شباب میں جب وہ ملازمت کے لیے اپنے گاؤں سے کانپور جیسے شہر میں آئے تو دیہات ان کی شخصیت کا جزو بن چکا تھا چنانچہ جب انھوں نے افسانہ نگاری شروع کی تو اس پس منظر نے ان کی تحریک کو کروٹ دینے میں بہت مدد دی۔ پریم چند اپنی ادبی زندگی کے

اولین دور میں ایک خواب کار تھے۔''(۸)

ادیب کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی حسیات ودیعت ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ معاشرتی رویوں اور سماجی ناہمواریوں کو بالکل مختلف اور الگ زاویے سے دیکھتا ہے۔ پریم چند کا ایک چھوٹے دیہات سے کانپور جیسے بڑے شہر میں جانا اور پھر شہری زندگی کے تقابل میں دیہاتی غربا کی زندگیوں کا بغور مطالعہ کرنا ان کے اور ادب کے لیے نئے موضوعات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> ''انھوں نے بھوک، بیماری، بیکاری، جہالت اور توہم پرستی کو کہانیوں کا موضوع بنایا اور ایک عام قاری کی ذہنی الجھنوں، سماجی بندشوں، معاشرتی پیچیدگیوں اور ان سے پیدا ہونے والے سکھوں اور غموں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ پریم چند کی عطا یہ ہے کہ انھوں نے حقیقت کی نقاب کشائی کی اور انسان کو صداقت کا کھردرا چہرہ دیکھنے پر آمادہ کیا۔''(۹)

ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوئی۔ اس تحریک کا صدارتی خطبہ منشی پریم چند نے دیا۔ یہ خطبہ تحریک کا اہم ترین خطبہ قرار پایا۔ ترقی پسند ادیبوں کے نزدیک جو مقاصد تھے وہ خالصتاً ایسا ادب تخلیق کرنے سے متعلق تھے جو انسانی حقوق اور ہمدردی کے عکاس ہوں۔ اس تحریک کے زیرِ اثر تخلیق کیا جانے والا سارا ادب اسی نظریہ کے تحت تخلیق کیا گیا۔ ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس میں منشی پریم چند نے صدارتی خطبے میں چند اہم نکات کی نشان دہی کرائی۔ انھوں نے کہا:

> ''اس کانفرنس میں پڑھی جانے والی چیزوں میں سب سے اہم منشی پریم چند کا خطبۂ صدارت تھا جس میں انھوں نے ادب کی دائمی قدروں کو اجاگر کیا اور حُسن، صداقت، آزادی اور انسان دوستی کو اعلیٰ ادب کا لاینفک قرار دیا۔''(۱۰)

پہلی کانفرنس میں ہونے والے اس خطبہ میں پریم چند کے الفاظ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ انھوں نے جس نوع کے ادب کی تخلیق کا بیڑا اٹھایا تھا وہ ادب پروری کے ساتھ ساتھ انسان دوستی کو بھی اپنے دائرہ میں محصور کرتا تھا۔ اس تحریک کے چند بنیادی مقاصد کو سید اختر حسین رائے پوری نے بھی واضح کرنے کی کوشش کی جو اسی طرز کے ہیں۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے اپنے مقالہ ''ادب اور انقلاب'' میں چند اہم نکات ایسے بیان کیے جو ترقی پسند تحریک اور اس کے مقاصد و اہم امور کا پیش خیمہ ثابت ہوئے:

''اول: صحیح ادب کا معیار یہ ہے کہ وہ انسانیت کے مقصد کی ترجمانی اس طریقے سے کرے کہ زیادہ لوگ اس سے اثر قبول کر سکیں۔اس کے لیے دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ پہلے ہونا چاہیے۔
دوم: ہر ایماندار اور صادق ادیب کا مشرب یہ ہے کہ قوم وملت اور رسم و آئین کی پابندیوں کو ہٹا کر زندگی ، یگانگی اور انسانیت کی وحدت کا پیغام سنائے۔
سوم: ادیب کو رنگ و نسل اور قومیت اور وطنیت کے جذبات کی مخالفت اور اخوت اور مساوات کی حمایت کرنی چاہیے اور ان تمام عناصر کے خلاف جہاد کا پرچم بلند کرنا چاہیے جو دریائے زندگی کو چھوٹے چھوٹے چوبچوں میں بند کرنا چاہتے ہیں۔''(۱۱)

ترقی پسندوں کے ہاں تخلیق ہونے والے ادب نے مجموعی طور پر جو تاثر پیدا کیا وہ ان کے ابتدائی نعرہ کی شکل اختیار کر گیا، یعنی تخلیق ہونے والا ادب روایتی انداز سے منحرف ہو کر ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی کا پرچار کرنے لگا۔اس نوع کے ادب میں جس قدر ادیب اہم تھا اسی قدر قاری کی اہمیت بھی مسلّم تھی۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص:۴۶۷
۲۔ حامد بیگ، مرزا، اُردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص:۸۳
۳۔ فطرت کا دل، بحوالہ: مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص:۸۴
۴۔ ممتاز حسین، متحدہ محاذ، مشمولہ: سویرا، شمارہ ۱۰۔۱۱، ص:۱۴۸
۵۔ احمد علی، ترقی اور ترقی پسندی، مشمولہ: نیا دور، اپریل ۱۹۴۵ء، ص:۸۔۷
۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، ص:۴۷۸
۷۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص:۲۲
۸۔ احتشام حسین، سید، اُردو افسانہ ایک گفتگو، ادبی دنیا، دور پنجم، شمارہ سوم، ص:۱۶۸
۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، ص:۴۶۵
۱۰۔ ایضاً، ص:۴۷۶
۱۱۔ اختر حسین رائے پوری، ادیب اور انقلاب، بحوالہ اُردو ادب کی تحریکیں، از ڈاکٹر انور سدید، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص:۴۶۹